درسِ حدیثِ کعب رضی اللہ عنہ

شیخ ابو عبد اللہ حفظہ اللہ

ترجمہ: مولوی عبد الرحیم



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

از

شیخ ابوعبداللہ اسامہ بن محمد بن لادن حفظہ اللہ

ترجمہ: مولوی عبد الرحیم

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی

ترکِ جہاد پر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزنش کی داستان

ادارۂ حطین

بسم الله الرحمن الرحيم

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ o وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ o مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ o وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o

(التوبة: ١١٧: ١٢١)

''بے شک اللہ نے مہربانی فرمائی نبیؐ پر اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے (لیکن جب انہوں نے اس کے باوجود بھی ساتھ نہ چھوڑا) تو اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی، بیشک وہ اُن پر نہایت شفقت کرنے والا ہے، مہربان ہے۔ اور اُن تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہوگئی اور اُن کی جانیں بھی اُن پر دوبھر ہوگئیں اور اُنہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں سوئے اس خود اسی کے دامنِ رحمت کے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹ آیا تا کہ وہ بھی (اللہ کی طرف) پلٹ آئیں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔ اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے باشندوں اور گردونواح کے بدویوں کو ہرگز زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے بیٹھے رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اُن کی جان سے زیادہ عزیز رکھتے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس یا جسمانی مشقت کی صورت میں جو تکلیف بھی وہ اٹھاتے ہیں، اور کافروں کو طیش دلانے والی راہ پر جو قدم بھی اٹھاتے ہیں اور دشمنوں کو جو زک پہنچاتے ہیں، تو ان میں سے ہر بات پر اُن کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے، کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور اِسی طرح وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں، تھوڑا ہو یا زیادہ، اور جو وادی پار کرتے ہیں تو یہ سب کچھ اُن کے لئے اعمالِ صالحہ میں لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے''۔

نامِ کتاب	درسِ حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
نامِ مؤلف	شیخ ابوعبداللہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ
نامِ مترجم	مولوی عبدالرحیم
تعداد	
تاریخِ اشاعت	شعبان ۱۴۳۰ھ
ناشر	ادارۂ حطین
قیمت	

درسِ حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

بلا شبہ کل تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں، اُسی سے مدد مانگتے ہیں اور اُسی سے مغفرت کے طالب ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو“۔

امابعد!

امت کی تکلیف دہ موجودہ صورتِ حال

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع امتِ مسلمہ کی موجودہ ابتر حالت ہے۔ آپ کے علم میں ہے کہ کفار کے تسلط، غیر اللہ کی حاکمیت اور اپنے مقدسات کی پامالی کے سبب یہ امت آج آفت زدہ ہے۔ فلسطین پر نصاریٰ اور اُن کے بعد یہود کے قبضے کو آٹھ دہائیوں سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے۔ اِسی طرح امریکی

سرکردگی میں مسجدِ حرام اور بلادِ حرمین پر صلیبی قبضے کو بھی دس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه ! اِن بے پناہ مصائب وآلام کے باوجود لوگ ابھی تک غفلت کا شکار ہیں اور لا إلٰه إلا اللّٰه کی نصرت کے لیے حرکت میں آنے کو تیار نہیں۔ پس ہم اللہ ہی سے فریاد کرتے ہیں اور قوّت وطاقت کا مالک تو بس اللہ ہی ہے۔

اسی طرح آج تاویلیں گھڑنے والوں کی بھی کثرت ہو چکی ہے جنہوں نے بے شمار من گھڑت دلائل کے ذریعے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنا جائز کرلیا ہے۔ نتیجتاً، دینِ حق کی تذلیل کی جارہی ہے اور رحمان کی شریعت کو زندگیوں سے اِس طرح دور کر دیا گیا ہے کہ بندوں پر اُن کے ربّ کا قانون کہیں نافذ نہیں، زندگیاں شریعت کی حاکمیت سے آزاد ہیں اور لوگوں کی اکثریت اِس ذلت وکمزوری کو دور کرنے میں منہجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوسوں دور بھٹک چکی ہے۔

راہِ نجات: اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع

لٰہذا غلبۂ دین کا درست طریقۂ کار سمجھنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنے ذہنوں میں اپنے اسلاف رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد کی یادیں تازہ کریں اور دیکھیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں کیسی تھیں ...... اِس طرح ان شاء اللہ حق باطل سے بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے واضح ہو جائے گا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا سبق آموز واقعہ

میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتِ طیبہ میں غور کیا تو مجھے اِس حوالے سے حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے زیادہ واضح کوئی چیز نہیں ملی۔ یہ حدیث صحیحین اور اِن کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی وارد ہوئی ہے۔ اِس عظیم اور طویل حدیث میں یہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ پوری وضاحت سے نفسِ انسانی میں پائے جانے والے ضعف کا اعتراف کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی مانند کسی قسم کی بے جا بحث اور غلط بیانی نہیں کرتے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا غضب ان جھوٹے بہانہ بازوں کی سمت ہی متوجہ ہوتا ہے اور کتابُ اللہ ان کے بارے میں ایسے سخت کلمات استعمال کرتی ہے جیسے کسی اور کے متعلق وارد نہیں ہوئے۔

آیئے اپنے نفس کا علاج کریں!

آیئے میرے ہمراہ صدق اور صاف گوئی کے پیکر میں ڈھلے اِن الفاظ پر غور وفکر کیجیے......! تاکہ ہم جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کی طبیعتِ نفس جان سکیں اور خود اپنے نفس کا بھی علاج کرنے کی کوشش کریں......ہم اپنے آپ کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنے علماء کو اِس حدیث کے ذریعے نصیحت کرتے ہیں......اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اِس پر بہترین عمل کی توفیق عطا فرمائے!

فضائلِ کعب رضی اللہ عنہ

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث غزوۂ تبوک کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اِس غزوے سے پیچھے رہ گئے تھے حالانکہ آپ سابقینِ انصار میں سے تھے اور اُن لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعتِ عقبہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ یہ وہ عظیم بیعت ہے جس کی بنیاد پر اللہ کے فضل وکرم سے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا اور اگر دیکھا جائے تو ہم بھی اسی شجرِ ہدایت کے ثمرات میں سے ایک ثمر ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑے جانے والے کسی غزوے سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہا تھا سوائے غزوۂ بدر کے، اور غزوۂ بدر سے پیچھے رہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر عتاب نہیں فرمایا تھا''۔

یعنی آپ رضی اللہ عنہ مردِ میدان تھے، بدر کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام معرکوں میں شریک رہے تھے، جنگیں لڑی تھیں اور لا إلٰہ إلا اللّٰہ کے دفاع کی خاطر کوئی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا تھا۔

صالحین کو جہاد سے روکنے کے لئے نفس کی چالیں

لیکن انسان بہرحال انسان ہی رہتا ہے......کبھی شیطان اُسے بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کبھی وہ خود کمزوری دکھا جاتا ہے اور اُس کا نفس اُسے دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سیدنا کعب بن

مالک رضی اللہ عنہ اِسی معاملے کو پوری وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حالات میں غزوے کی تیاری کا حکم دیا جب گرمی پورے جوبن پر تھی اور لوگ بیشتر وقت کھجور کے درختوں تلے ستا کر گزارتے تھے۔کھجور کی فصل تیار ہونے کو تھی اور پکنے کے بالکل قریب تھی''۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے اِس (ٹھنڈے) سائے اور پھلوں کی جانب کچھ رغبت سی تھی''۔

یہ ہیں نفسِ انسانی کے وہ خطرناک ہتھکنڈے جن کا مشاہدہ ہم ان عظیم لوگوں میں بھی کرتے ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین! لہٰذا اگر یہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود دی، تو آج بعض اصحابِ خیر کا جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنا ہرگز باعثِ تعجب نہیں۔

آج نہیں، کل......

صحیحین کی یہ حدیث واضح طور پر ہمیں بتا رہی ہے کہ وہ لوگ بھی پیچھے رہ گئے جو ہم سے اور آج کے ان اصحابِ خیر سے کہیں زیادہ افضل تھے۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگوں نے تیاری شروع کر دی اور میں نے بھی اپنی تیاری کا سوچا لیکن پہلا دن گزر گیا اور میں نے کوئی تیاری نہ کی۔میں نے دل میں سوچا کہ کل تیاری کرلوں گا لیکن دوسرے دن بھی کچھ تیار نہ کر سکا۔پھر میں نے سوچا کہ (کچھ مسئلہ نہیں،) میں ابھی بھی اُن سے جا ملنے پر با آسانی قدرت رکھتا ہوں''۔

غور کیجیے! نفس کس طرح انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتا ہے! چونکہ آپؓ جہاد کے عادی تھے لہٰذا نفس نے یہ سجھایا کہ جہاد کی تیاری تو آپ کے لئے معمولی سا مسئلہ ہے، آپ ابھی بھی با آسانی نکلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اِسی کیفیت میں رہا یہاں تک کہ لشکر روانہ ہو گیا اور عظمت وجلال کا حامل وہ قافلہ جانبِ منزل گامزن ہو گیا، جس کے سالار خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جن کے ہمسفر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابۂ کرام تھے''۔

اکثر سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

ہر مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں اس کا نفس اسے اسی انداز سے دھوکے میں مبتلا نہ کر دے! لا إلٰــہ إلا الــلّٰــہ کی نصرت سے بیٹھ رہنے والوں میں کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں جنہیں اُن کا نفس اِس دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اگر وہ نکلنا چاہیں تو با آسانی نکل جائیں گے لیکن اِسلام کا مفاد اسی میں ہے کہ ابھی نہ نکلا جائے...... حالانکہ یہ بات حقیقت نہیں، محض ان کا وہم ہوتا ہے۔ اور بلا شبہ نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی توفیق تو صرف اللہ کے دینے سے ہی ملتی ہے!

آسائش پسندی بھی، فریبِ نفس سے بے خوفی بھی؟

پس حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے نفس نے دھوکے میں مبتلا کر دیا، حالانکہ وہ بارہا خود کو جنگوں اور معرکوں میں آزما چکے تھے...... اور انصار تو ویسے بھی جنگجو لوگ تھے؛ جنگ جوئی کی صفت انہیں ورثے میں ملی تھی...... لیکن اس کے باوجود بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نفس آپ رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب رہا۔ پس خود ہی سوچ لیجیے کہ جب ان کے ساتھ یہ ہوا، تو اُن لوگوں کا معاملہ کیا ہوگا جو کبھی اللہ کی راہ میں قتال کے لیے نکلے ہی نہیں؟ کیا ایسے لوگوں کا نفس کے دھوکے میں مبتلا ہو جانا زیادہ قرینِ قیاس نہیں؟ اُن لوگوں کی زندگی تو تھی بھی سختیوں سے بھرپور! نہ بجلی تھی اور نہ ہی دیگر آسائشیں...... صرف کھجور پکنے پر آئی تو اُس نے اُنہیں بوجھل کر دیا! تو پھر وہ لوگ کیسے نفس کی چالوں میں آنے سے بے خوف بیٹھ سکتے ہیں، جن کے پاس آسائشوں کی بھرمار ہو...... یہاں تک کہ وہ مباحات کے دائرے سے بھی تجاوز کر کے تعیّشات کے دائرے میں داخل ہو چکے ہوں...... ذرا خود اپنے دل سے پوچھیے! کیسے ممکن ہے کہ ایسے لوگ نفس کے دھوکے سے بچ جائیں، سوائے اِس کے کہ اللہ ہی اُنہیں بچا لے۔

بہر حال، باقی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نکل کھڑے ہوئے، اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے یہ خطا سرزد ہوگئی کہ آپ رضی اللہ عنہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہے۔

مسئلہ 'فہم' کا ہے!

موسم شدید گرم تھا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گرمی کی شدت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم میں سے جب کوئی اپنی سواری کے پاس جاتا تو دیکھتا کہ گھٹن اور گرمی کی شدت سے اُس کی گردن ڈھلک چکی ہوتی''۔

اِس موقع پر حسبِ عادت اہلِ دنیا نے وہی کچھ کہا جو وہ آج تک ہر ایسے موقع پر کہتے دکھائی دیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم ان کا یہ قول نقل کرتا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَاتَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ......﴾

''اور وہ کہنے لگے کہ (اس شدید) گرمی میں مت نکلو!''

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں اس سے بھی بڑی حقیقت ذکر فرمائی:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبة: ۸۱)

''کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ تو اِس سے کہیں زیادہ گرم ہے! کاش کہ وہ اِس بات کی سمجھ رکھتے''۔

یہ دنیا دار لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ جمعہ میں حاضری دیتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مخاطب بھی اُنہی کی زبان میں تھے...... لیکن اللہ رب العزت پھر بھی فرماتے ہیں کہ ''کاش وہ اس بات کی سمجھ رکھتے''! کیوں؟ کیونکہ فہم تو درحقیقت دل کے فہم اور خشیت کا نام ہے اور اس فہمِ حقیقی سے وہ محروم تھے۔ بظاہر تو اُنہیں اِن باتوں کا مکمل علم تھا، لیکن اگر وہ حقیقی فہم رکھتے تو جان لیتے کہ جہنم کی آگ دنیا کی اس گرمی و تکلیف سے شدید تر ہے۔

آج ہمارے بھائیوں کو کیا کچھ نہیں کہا جاتا؟ اُن سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ جب تم جہاد سے لوٹو گے تو کوڑے تمہارے منتظر ہوں گے......اور طاغوتی جیلوں کے کوڑے بہت سخت ہوتے ہیں! اُن

سے کہا جاتا ہے کہ ایجنسیاں تمہارے پیچھے لگ جائیں گی! وغیرہ، وغیرہ۔

ہم ان سے بھی یہی کہتے ہیں کہ:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبة: ۸۱)

''جہنم کی آگ تو اِس سے کہیں زیادہ گرم ہے! کاش کہ وہ اِس بات کی سمجھ رکھتے''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صحیح علم اور فہم سے نوازے!

کیا ان احمقوں کی خاطر ہم جنت چھوڑ دیں؟

یہ زندگی تو چند دن کا کھیل ہے...... پھر بھلا ہم لوگوں کے کہے میں آکر اپنے ربّ کی جنتیں چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا! جسے یہ یقین ہو کہ موت کا وقت مقرر ہے جس میں تقدیم وتاخیر ممکن نہیں اور جسے یہ یقین ہو کہ رزق کی مقدار معین ہے جس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ...... تو وہ اِن باتوں کو بالکل خاطر میں نہیں لاتا۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''يا غلام إنّي أعلمک کلمات: إحفظ اللّٰه يحفظک، إحفظ اللّٰه تجده تجاهک، إذا سألت فاسأل اللّٰه، و إذا استعنت فاستعن باللّٰه، و اعلم أنّ الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوک بشيء لم ينفعوک إلّا بشيء قد کتبه اللّٰه لک، ولو اجتمعوا على أن يضرّوک بشيء لم يضرّوک إلا بشيء قد کتبه اللّٰه عليک، رفعت الأقلام و جفت الصحف''.

''اے لڑکے! میں تمہیں چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں: اللہ کے احکامات کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کے حق کی حفاظت کرو، تم اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو! اور جب مدد مانگو تو اللہ ہی سے مانگو! اور جان لو کہ اگر پوری انسانیت بھی مل کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی مگر اُتنا ہی جتنا اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب مل کر تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ

نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اُتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں''۔

(سنن الترمذي؛ صفة القيامة والرقائق والورع، رقم: ۲۴۴۰)

علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی سکھایئے!

مسلمان یہ حدیث آج بھی اِنہی الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اُنہیں اِس کی تعلیم بھی دی جاتی ہے......لیکن ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو علم کے ساتھ ساتھ اِس علم پر عمل کرنا بھی سکھلایا جائے، یہاں تک کہ وہ لا إلٰه إلا الله کے مضمرات کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کر سکیں۔ لیکن اگر علم تو سیکھ لیا مگر اُس پر عمل نہ کیا تو وہ خود آپ کے خلاف حجت بن جاتا ہے۔ علم اور اُس پر عمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ علم کا نتیجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خشیت اور اِس کا ثمر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے، تاکہ ہم اللہ ربّ العزت کی رضا حاصل کر سکیں۔

کاش میں چلا ہی جاتا!

بالآخر لشکر روانہ ہو گیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''اب میں اُن سے جا ملنا چاہتا تھا، لیکن میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہا تھا''۔

اُس موقع پر آپ کے دل سے یہ آہ نکلی کہ:

''**يليتني فعلت**''.

''اے کاش، میں چلا ہی جاتا!''

یہ عظیم اور مبارک غزوہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری جنگی مہم تھی اور اِس پس وپیش کی وجہ سے اس میں شمولیت کا یہ عظیم موقع آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''اے کاش، میں چلا ہی جاتا!''

پس اے اللہ کے بندو! اپنی صحت، فراغت اور جوانی کو غنیمت جانو! دیکھو، جنت کے میدان تمہارے سامنے کھلے پڑے ہیں......! ایک صحیح حدیث میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''إنّ أبواب الجنة تحت ظلال السيوف''.

''بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں''۔

(صحیح المسلم؛ كتاب الإمارة، ثبوت الجنة للشهيد، رقم: ۳۵۲۱)

علم کے معاملے میں سلف کا منہج

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو ایک شخص نے آگے بڑھ کر اُن سے پوچھا:

''اے ابوموسیٰ! کیا آپ نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے؟''

ذرا ان لوگوں کے فہم کی طرف نظر دوڑائیے! وہ علم کو محض عمل کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے نہ کہ مجرد علم کی کثرت کے لیے...... جو بعدازاں خود اپنے ہی خلاف حجت بن جائے۔ علم کے ساتھ عمل لازم ہے، لہٰذا حدیث کی صحت پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے اُنہوں نے پوچھا:

''کیا آپ نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے؟''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں''۔

یہ سن کر وہ اپنی قوم کے پاس گئے، اُنہیں الوداعی سلام کہا، اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی...... پھر گئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی ڈھیروں رحمتیں نازل فرمائے! غور کیجیے، یہ ہے صحابۂ کرامؓ اور ہمارے اسلاف کا اصل منہج......!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''يليتني فعلت''.

''اے کاش، میں چلا جاتا!''

اے اللہ کے بندو! ابھی بھی آپ کے پاس موقع ہے کہ آپ جہاد کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے نصرتِ حق کی خاطر نکل کھڑے ہوں، مبادا کہ کسی دن آپ کو بھی یہ کہنا پڑے کہ ''اے کاش، میں چلا ہی جاتا!''

راہِ جہاد کا مبارک غبار

ایک روایت میں ہے کہ ایک صالح صاحبِ علم بسترِ مرگ پر تھے تو اُن کی آنکھیں بھر آئیں ، حالانکہ وہ تقویٰ اور علم کے اعتبار سے لوگوں میں افضل ترین تھے...... اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں......؟ تو اُنہوں نے اپنے قدموں کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا:

''اِس لیے رو رہا ہوں کہ میں نے اپنے یہ قدم کبھی اللہ کی راہ میں غبار آلود نہ کیے''۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''ما اغبرت قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار''.

''جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں تو اُسے آگ نہیں چھو سکتی۔''

(صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، رقم: ٢٦٠٠)

اللہ اکبر! ایسی عبادت کہ جس کا محض غبار ہی آپ کو آگ سے نجات دلا دے...... تو بھلا اُس شخص کا کیا مقام ہوگا جو اپنے جان و مال کے ساتھ نکلا اور سب کچھ اِسی راہ میں قربان کر دیا؟

حقیقی خطرات کی فکر کیجیے!

بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ افضل ترین عمل ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ترین اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رجل خرج يخاطر بنفسه و ماله فلم يرجع بشيء''.

''اُس شخص کا عمل جو اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال کر نکل کھڑا ہوا اور پھر کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹے''۔

(صحيح البخاري؛ كتاب الجمعة، رقم: ٩١٦)

آج ہمارے اکثر بھائی ہمیں خطرات سے ڈراتے ہیں لیکن جان لیجیے! حقیقی خطرہ تو قبر میں ہے...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُسے ہمارے لیے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے...... حقیقی خطرہ تو حساب اور قیامت کے اُس دن کا ہے جس نے بہرحال قائم ہو کر رہنا ہے! کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے

خطرات سے بچتے بچتے آپ اُس دن کے خطرات میں گھر جائیں، آپ کی عمر لے دے اور قیل وقال میں گزر جائے اور آپ لا إله إلا الله کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہیں۔

منافقین کے سوا کوئی پیچھے نہ رہا!

اللہ تعالیٰ مومنین کو صفاتِ منافقین کے قریب پھٹکنے سے بھی خبردار کرتا ہے اور منافقین کی نمایاں ترین صفت اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللهَ وَ رَسُوْلَه...﴾ (التوبة: ۹۰)

''اور بدویوں میں سے بہانے بنانے والے لوگ آ گئے کہ اُن کو (پیچھے رہنے کی) اجازت دے دی جائے اور (جہاد سے) پیچھے بیٹھ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے پیچھے رہنے سے بچائے! ذرا ان اسلاف کی جانب تو دیکھئے! حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لشکر روانہ ہونے کے بعد جب میں مدینہ میں نکلتا تو مجھے سب سے زیادہ غمگین یہ بات کرتی کہ مدینہ کی گلیوں میں نفاق میں مشہور ترین منافقین یا معذور لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آتا''۔

یہ ہیں ہمارے اسلاف! جب یہ خبر آئی کہ رومی اہلِ اسلام پر چڑھائی کا سوچ رہے ہیں...... سرزمینِ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ صرف حملے کی تیاری کر رہے ہیں......تو ہمارے قائد و رہنما محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں پکار لگائی:

''يا خَيلَ اللّٰهِ ارْكَبي''.

''اے اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ''۔

تو منافقوں اور معذوروں کے سوا کوئی بھی بیٹھا نہ رہا! اللہ کے بندو غور کرو! اگر تم نجات کے متلاشی

ہوتو ان عظیم ہستیوں کی پیروی کرو! محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی اقتداء کرو! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ...﴾

(الفتح: ۲۹)

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت رحم دل ہیں''۔

اور پھر اتباع تو اتباعِ کامل کا نام ہے، چاہے وہ امر آپ کو پسند ہو یا ناپسند، جیسا کہ حدیثِ عبادۃ رضی اللہ عنہ میں مروی ہے:

''بايعنا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره''.

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، چاہے تنگی ہو یا آسانی اور چاہے (وہ بات ہمیں) پسند ہو یا ناپسند۔''

(صحیح المسلم؛ کتاب الإمارة، رقم: ۳۴۲۶)

لہٰذا دیگر لوگ چاہے قتال سے کتراتے رہیں، آپ پر تو لازم ہے کہ آپ اُس ذمہ داری کو ادا کریں جو اللہ نے آپ کے ذمہ لگائی ہے۔

تارکِ جہاد پر تنقید کرنا جائز ہے

رسول اللہ ﷺ جب تبوک پہنچے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

''ما فعل كعب بن مالك؟''

''کعب بن مالک نے کیا کیا؟''

آپ ﷺ نے اُن کا ذکر کیا تو بنو سَلِمہ سے تعلق رکھنے والے ایک صحابیؓ نے کہا:

''اُنہیں اُن کے عمدہ لباس اور خود پسندی نے روک رکھا ہے''۔

آپؐ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی مذمت کی کیونکہ وہ اس نازک وقت میں نصرتِ دین سے پیچھے بیٹھے رہے۔آپ رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے ایسی غلطی سرزد ہوئی تھی جو کسی طور اہلِ ایمان کے شایانِ شان نہ تھی۔اِس موقع پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

''تم نے بہت ہی بری بات کہی ،اللہ کی قسم !یا رسول اللہ! ہم نے اُن میں صرف خیر ہی دیکھی ہے''۔

ابنِ حجر رحمہ اللہ بنوسَلَمہ کے ان صاحب کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ (یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ) جو شخص جہاد سے پیچھے بیٹھا رہے تو لوگوں کے لیے اُس پر تنقید کرنا جائز ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ نصرتِ دین جیسے عظیم ترین واجب کا تارک ہے''۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری جان اِس حال میں نکلے کہ ہم نصرتِ دین کی ذمہ داری ادا کرنے میں سرگرم ہوں، اور ہم اپنے مالک سے اِس حال میں ملیں کہ وہ ہم سے راضی ہو!

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو گرمی برداشت کریں اور میں......؟

ابھی یہ مکالمہ جاری تھا کہ اِسی اثناء میں ایک شخص سفید لباس پہنے سراب میں سے برآمد ہوتا دکھائی دیا۔یہ شخص کہیں دور سے آرہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے ہی دیکھ کر فرمایا:

''یہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ہیں''۔

چنانچہ وہ ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی نکلے۔آپ لشکر کے روانہ ہونے کے بعد چلے اور اکیلے ہی آپہنچے۔آپ نے منافقین کی معیت میں رہنا گوارا نہ کیا۔شیطان نے اس جلیل القدر صحابیؓ کو روکنے کے لئے بھی بھرپور چالیں چلیں۔ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے قصے سے متعلق بعض اہلِ مغازی کا کلام نقل کیا ہے کہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بستر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا''۔

آپ حضرات جانتے ہی ہیں کہ گرمیوں میں بستر پر پانی کا چھڑکاؤ کتنا خوشگوار محسوس ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دیکھا کہ بستر پر پانی کا چھڑکاؤ تھا، پھر میں نے اپنی بیوی کی جانب نظر دوڑائی تو کہا کہ اللہ کی قسم! یہ کہیں کا انصاف نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سورج کی تپش اور گرمی میں ہوں اور میں یہاں سائے اور نعمتوں میں''۔

ذرا دیکھئے اہلِ ایمان کی جانب!

دیکھئے صحیح عقیدے اور مستحکم یقین کے حاملین کی جانب!

چنانچہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری اور تھوڑی سی کھجوریں لیں اور روانہ ہوگئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ سوچنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے گھر سے نکلے تھے؟ کیا وہ **لا إله إلا اللّٰه** کے اس مبارک کلمے کی خاطر نہ نکلے تھے؟ تو پھر آج ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اسی کلمے کی نصرت سے پیچھے بیٹھے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ ہم نے اِس کلمے کی نصرت کا حق ادا کر دیا ہے...... حالانکہ اِس کلمے کی حاکمیت آج دنیا سے مٹ چکی ہے۔ **ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه!**

''**مَا خَلَّفَک**''...... ''تمہیں کس چیز نے پیچھے رکھا؟''

یہاں ہم حدیثِ کعب رضی اللہ عنہ کی بعض سبق آمیز باتوں پر تدبر کے لیے رکیں گے کیونکہ اِس وقت اِس کے تمام اسباق پر بحث ہمارے لیے ممکن نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ، علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ اور دوسرے شارحینِ حدیث اِس پر پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے تو مجھے شدید رنج والم نے آلیا اور میں نے سوچا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کہوں بھی تو کیا کہوں؟ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی کیفیت میں مسکرائے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب رضی اللہ عنہ پر غضب ناک تھے۔ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بعض اہلِ مغازی کا کلام

نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض فرمایا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھ سے اعراض کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ کی قسم! نہ تو میں منافق ہوا ہوں، نہ شک میں پڑا ہوں اور نہ ہی تبدیل ہوا ہوں''۔

نصرتِ دین کو چھوڑ دینا کوئی چھوٹا معاملہ نہ تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اِس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر لیکن دہلا دینے والے الفاظ میں دریافت فرمایا:

''ما خلّفک؟''

''کس چیز نے تمہیں پیچھے رکھا؟''

یہ سوال آج بھی پیچھے بیٹھنے والوں سے پوچھا جانا چاہیے کہ...... **ما خلّفک؟** تمہیں کس چیز نے **لا إلٰہ إلا اللّٰہ** کی نصرت سے روکے رکھا؟ تمہیں کس چیز نے پیچھے بٹھائے رکھا؟ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے علماء کے سینوں کو اِس چیز پر کھول دے کہ وہ ہمارے اسلاف کی سیرت سے سبق حاصل کریں...... اور امت کو جہاد کے فرضِ عین ہونے کا فتویٰ دیں!

علمائے سلف اِس بات پر متفق ہیں کہ جہاد بعض مواقع پر فرضِ عین ہو جاتا ہے جن میں سے ایک موقع دشمن کا اسلامی سرزمین میں داخل ہونا ہے، جبکہ آج تو دشمن کو ارضِ اسلام میں داخل ہوئے کئی دہائیاں بیت چکی ہیں، **ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ!**

لا إلٰہ إلا اللّٰہ کے حق کا جواب کس نے دینا ہے؟ اگر ہم میں سے ہر شخص اپنے عذر پیش کرنے کی راہ اپنا لے گا تو پھر یہ عظیم ذمہ داری کون اٹھائے گا؟ کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین پر یونہی حملے ہوتے رہیں، پھر بھی ہم جواب دہ نہ ٹھہریں گے؟ ہم پر لازم ہے کہ اپنی کوتاہیوں سے رجوع کریں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اِذن سے حق کو قائم کر کے دکھائیں۔

غلطی پر مومن کا رویہ...... کج بحثی نہیں، اعترافِ خطا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنی کوتاہی کے واضح اعتراف میں عقل والوں کے لیے عبرت کا

بہت سا سامان ہے۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا:

''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! اگر میں آپ ﷺ کی بجائے دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو شاید میں کوئی عذر پیش کر کے اُس کے غصّے سے بچ جاتا، کیونکہ میں زبان کا عمدہ استعمال بخوبی جانتا ہوں''۔

آج بھی بے شمار لوگ بے دلیل بحث کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔کتابُ اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی واضح اور کھلی نصوص کو معمولی اور بے وقعت منفعت کی خاطر اصل معانی سے پھیر دیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا! میں پوچھتا ہوں کہ اگر اب بھی وقت نہیں آیا تو آخر پھر کب آئے گا؟ اندلس کی اسلامی ریاست کے سقوط کو پانچ صدیاں بیت چکیں مگر اِن لوگوں کے نزدیک ابھی وقت نہیں آیا۔ایسے لوگ ہمیشہ ہمیں فرضی باتوں میں مشغول کرتے ہوئے یہی کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ''ابھی وقت نہیں آیا''۔

جہاد کی غرض وغایت

بھلا یہ آیات اور احکامات اِس لیے اُترے تھے کہ انہیں ان کے اصل معنوں سے پھیر کر مجہول اور بے معنی کر دیا جائے؟ یہ تو وہ عظیم عبادت ہے جس کے ذریعے راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اُن کے ربّ کی عبادت کی طرف لایا جاتا ہے، جیسا کہ صحیحین کی روایت ہے کہ:

''أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدًا رسول اللّٰه ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة''.

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں''۔

(صحيح البخاری؛ كتاب الإيمان، رقم: ۲۴، صحيح المسلم؛ كتاب الإيمان، رقم: ۳۳)

آپ ﷺ کو رب کی عبادت عام کرنے کے لئے ہی قتال کا حکم دیا گیا تھا۔چنانچہ ہم منہجِ رسول ﷺ اختیار کئے بغیر کیسے لوگوں کو عبادت کی جانب لا سکتے ہیں، بالخصوص جبکہ تمام اسلامی ممالک میں اِلحاد کا دور دورہ ہے اور سرِ عام اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے کفر کیا جا رہا ہے۔ولا حول ولا

قوّة إلا بالله!

چنانچہ اِن معاملات میں لوگوں کی لایعنی بحثوں سے دور رہیے اور اُن اسلاف کی پیروی کیجیے جن کے امام وقائد خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اپنی غلطی کا اعتراف، رب کے غضب سے بچنے کی واحد راہ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو شاید میں کوئی عذر پیش کر کے اُس کے غصّے سے بچ جاتا، کیونکہ میں زبان کے (عمدہ) استعمال سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹ کہہ دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی ہو بھی جائیں، تو عنقریب خود اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا''۔

آج آپ سے آپ کا کوئی بھائی یہ پوچھتا ہے کہ تم جہاد کے لیے کیوں نہیں نکلتے تو آپ کا نفس آپ کو دھوکے میں ڈالتا ہے اور آپ اپنی خطا کا اعتراف کرنے کی بجائے اُس بھائی کو جھوٹے بہانے سنا سنا کر مطمئن کرتے ہیں۔ لیکن عنقریب ہی اللہ اپنے دین کی نصرت چھوڑنے کی پاداش میں انسانوں کو بھی آپ سے ناراض کر دے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹ کہہ دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس وقت مجھ سے راضی ہو بھی جائیں تو عنقریب خود اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بات کہہ دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ناراض ہوں گے، لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کا انجام خیر پر کر دے گا''۔

علمائے صادقین کا رویہ

آج سے لگ بھگ بیس برس پہلے کی بات ہے جب میں اپنے علماء اور شیوخ کی خدمت میں

حاضر ہو کر اُنہیں جہاد میں نکلنے کی دعوت دیا کرتا تھا۔ اُس وقت روس کے خلاف جہاد کا آغاز ہو چکا تھا۔ اُن علماء میں سے اکثر تو ایسے تھے جو جواب میں بے شمار عذر پیش کرنے لگتے، جبکہ بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے منہج سے قریب تر تھے۔ میں اکثر اُن میں سے بعض کا یہ جملہ نقل کیا کرتا ہوں کہ:

''اے اسامہ! برکتِ الٰہی والے اِس راستے پر قائم رہنا! جس راہ پر تم چل رہے ہو وہی حق کی راہ اور اصل راستہ ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی اِس راہ پر چل کر دیکھا ہی نہیں، اِسی لیے اِس سے خوف کھاتے ہیں۔ لیکن ہم قطعاً اِس کے مخالفین میں سے نہیں اور بہر حال انسان انجانی چیزوں سے ڈرتا ہی ہے۔''

دراصل یہ علمائے کرام عبادتِ جہاد سے بالکل غیر مانوس ہو چکے تھے کیونکہ اُس دور کو گزرے اب ایک طویل عرصہ بیت چکا ہے جب معاشرے میں جہاد کرنے والے لوگ عام تھے۔

اعترافِ خطا میں عجیب صراحت!

پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہ تھا''۔

آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ آپ کو کوئی عذر نہ تھا۔ آج بھی جو لوگ منہجِ کعب رضی اللہ عنہ سے قریب ہیں وہ عذر پیش کرنے کی بجائے اپنی کمزوری کا صاف طور پر اعتراف کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ اللہ کی قسم! میں نہ کبھی اتنا قوی تھا اور نہ ہی اتنا مالدار، جتنا اُس وقت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أمّا هذا فقد صدق''.

''جہاں تک اس کا معاملہ ہے تو اِس نے بالکل سچ بولا!''

نفس تو جھوٹ پر ابھارتا ہے......

اللہ تعالیٰ کا حضرت کعب رضی اللہ عنہ پر یہ خصوصی احسان تھا کہ اُنہوں نے سچ بولنے کا پکا عزم کر لیا تھا۔ لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ جب انہیں اِس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی خبر ملی تو، انؓ کے الفاظ میں:

''میں نے طرح طرح کے جھوٹ گھڑنے شروع کر دیئے تھے''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا یہ اعتراف نفسِ انسانی کو سمجھنے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ آج کل اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے معصوم بن کر کہتے ہیں کہ: آپ اصل بات سے واقف نہیں! مسئلہ جہاد سے فرار کا نہیں، بلکہ اگر واقعی اس وقت جہاد کی اہمیت ہوتی تو میں ضرور نکلتا۔

یہ جلیل القدر صحابیؓ جو السابقون الاولون میں سے ہیں، صحیحین کی اِس حدیث میں صاف طور پر یہ اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ بھی اس نفسانی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے......تو آج ہم جیسوں کا معاملہ کیا ہوگا؟ نفس کے پاس انسان کو گھیرنے کے بے شمار حربے ہیں اور شیطان انسانی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے......اللہ تعالیٰ ہمیں اُس کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے! لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سچائی کا عزم کیا......جو بالآخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے اُن کی نجات کا سبب بنا، جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

راہِ حق کی ایک اہم رکاوٹ، معاشرتی دباؤ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب میں وہاں سے نکلا تو میری قوم بنوسلمہ کے کچھ لوگ آ کر مجھے ملامت کرنے لگے''۔

وہ آپ رضی اللہ عنہ کو اِس بات پر ملامت کر رہے تھے کہ تم نے غلطی کا اعتراف کیوں کیا؟ اگر تم کوئی عذر پیش کر دیتے تو تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا ہی کافی ہو جاتا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وہ مجھے مسلسل ملامت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پچھلی بات کو جھٹلا دوں''۔

غور کیجیے! نفسِ انسانی کے اس فطری ضعف نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی جگہ پالی۔ معاشرے، اہل وعیال اور ماحول کا دباؤ اتنا شدید ہوتا ہے کہ کبھی کبھار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی برگزیدہ ہستیاں بھی وقتی طور پہ اُس سے مغلوب ہوجاتی تھیں۔ چنانچہ سوچا جاسکتا ہے کہ آج یہ دباؤ کتنا شدید ہوگا جبکہ حالات بالکل بدل چکے ہیں......لوگوں کی اکثریت جہاد سے پیچھے بیٹھی ہے، جبکہ ایک قلیل جماعت ایسی ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔ لہٰذا آج بھی ہر دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے راہِ جہاد پہ ڈٹے رہنا محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ثابت قدمی عطا کرے اور اس نعمت سے بہرہ ور رکھے، یہاں تک کہ جب ہم اپنے مالک سے ملیں تو وہ ہم سے راضی ہو۔

حضرت کعبؓ کے بقیہ دو ساتھیوں کا معاملہ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''پھر میں نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ کیا کسی اور کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہوا جیسا میرے ساتھ ہوا ہے؟''

تو اُنہوں نے کہا:

''ہاں! تمارے ہمراہ دو لوگ اور بھی ہیں......اُنہوں نے بھی وہی کہا جو تم نے کہا، تو اُن سے بھی وہی کہا گیا جو تم سے کہا گیا''۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''وہ دو اشخاص مُرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال بن اُمیہّ رضی اللہ عنہ تھے جو دونوں سچے مومنین میں سے تھے اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوچکے تھے۔ یہ سن کر مجھے اطمینان ہوگیا اور میں اپنے سابقہ مؤقف پر جم گیا''۔

محض ایک غزوہ ترک کرنے پر قطع تعلق

پھر مقاطعہ اور ترکِ تعلق کا حکم آ گیا۔ اُن لوگوں سے ترکِ تعلق جو لا إلـٰه إلا الله کی نصرت سے

پیچھے بیٹھے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میرے لیے ساری زمین ہی یکسر بدل گئی، گویا یہ وہ زمین نہ تھی جسے میں پہچانتا تھا۔ اور میری اپنی ذات تک میرے لیے بالکل اجنبی ہوگئی''۔

اللہ کے بندو! ذرا سوچو! اِس ترکِ جہاد کے مسئلے پر کون آپ سے ترکِ تعلق کر رہا ہے؟ سیدُ البشر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... جو اگر کسی سے ناراض ہو جائیں تو زمین و آسمان کا ربّ بھی اُس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ یہ کتنا بڑا معاملہ ہے!

مسئلہ عددی قوت کی کمی کا نہیں، ادائیگیٔ فرض کا ہے

کیا تیس ہزار کے لشکر سے تین کا پیچھے رہ جانا عددی قوت کے لحاظ سے کوئی فرق ڈالتا ہے؟ لیکن بات اصل میں دل کی ہے، بات دراصل ایمان کی ہے! یہ دل کیسے **لا إلٰہ إلا اللّٰہ** کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہنے پر تیار ہو گیا؟ یہ بات اہم نہیں کہ تعداد کے اعتبار سے کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں ...... اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک بہت بڑی امانت اور فرض عائد کیا ہے جس کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہونا آپ پر لازم ہے۔

کفار...... ہمیں دین سے دور کرنے کے لئے مسلسل کوشاں

چنانچہ اُن سے قطع تعلق کا حکم آ گیا اور زمین اُن کے لیے بدل کر رہ گئی، حتیٰ کہ اُن کی اپنی ذات تک اُن کے لیے اجنبی ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب مسلمانوں کی جانب سے لاتعلقی کا معاملہ طویل ہو گیا تو شاہِ غسان کی طرف سے ایک پیامبر میرے پاس آیا''۔

اہلِ غسّان بنی قَیلہ سے ہیں اور اُن میں اور اوس و خزرج میں رشتہ داری ہے، کیونکہ اُن سب کی ماں ایک ہے۔ چنانچہ جب اہلِ غسان تک یہ خبر پہنچی تو اُن کے بادشاہ نے یہ پیغام بھیجا کہ:

''تم ہم سے آ ملو! ہم تمہیں اپنے مال میں شریک کر لیں گے۔ اِس ذلت اور بے توجّہی کی جگہ پر مت رہو''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے سوچا کہ اب تو کفار اور مشرکین بھی میرے بارے میں طمع کرنے لگے ہیں''۔

آج بھی یہی حال ہے کہ جہاد سے پیچھے بیٹھنے والوں کے بارے میں خائن وآلۂ کار حکمران طمع کرنے لگتے ہیں۔ وہ اُنہیں لا إلٰہ إلا اللّٰہ کی نصرت سے مزید دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ (ھود: ۱۱۳)

''اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ تمہیں آگ آ لپٹے گی''۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سے عافیت میں رکھے......!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''شاہ غسّان کا وہ خط میں نے پکڑا اور تنور میں ڈال دیا''۔

ایمان وجہاد کا گہرا ربط

جب معاملہ اُن پر تنگ ہوگیا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا، وہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے اُن سے کہا: اے ابوقتادہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں؟''

اللہ کے بندو! ذرا ایمان اور جہاد کے باہمی ربط پر غور کرو......!

زمین اُن پر تنگ ہوگئی، اُن کی اپنی ذات اُن کے لیے اجنبی ہوگئی اور اب اپنے چچا زاد بھائی کی جانب سے بھی بے رخی! ویسے بھی جب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اُن سے قطع تعلق فرما لیا تو کیسے ہوسکتا تھا کہ زمین اُن کے لیے کشادہ رہتی؟ کیسے ہوسکتا تھا کہ اُن کا نفس مطمئن رہتا؟ دراصل آپ رضی اللہ عنہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس اطمینان قلب حاصل کرنے ہی گئے تھے، کیونکہ اپنی سب سے قیمتی متاع ......متاعِ

ایمان ...... کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا اطمینان جاتا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بارے میں اطمینان حاصل کرلیں۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں؟''

ترکِ جہاد کے بعد تو دعوائے محبت بھی مشکوک ہے

اللہ اکبر......! لا إلٰه إلا اللّٰه کی نصرت چھوڑنا کتنا عظیم جرم ہے......سوچئے ذرا! کیا ہمارے دلوں کا نور لا إلٰه إلا اللّٰه ہی کا مرہونِ منت نہیں؟ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم لا إلٰه إلا اللّٰه کو چھوڑ کر عورتوں کے ہمراہ بیٹھ جائیں اور اِس زعم میں بھی مبتلا رہیں کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اُنہوں نے مجھے جواب نہ دیا''۔

......کیونکہ مقاطعہ تھا! مقاطعہ اتنا شدید تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے آغاز میں فرماتے ہیں:

''میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام تک کا جواب نہ دیا''۔

حالانکہ وہ لوگوں میں انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے، لیکن حکمِ الٰہی کی پابندی اور اللہ کی نصرت سے بیٹھ رہنے والوں پر عتاب کی خاطر حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے یہ رویہ رکھا گیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اُنہیں دوسری بار قسم دے کر پوچھا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں؟ تو اُنہوں نے مجھے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے تیسری بار قسم دے کر پوچھا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں؟''

تو اُنہوں نے کہا:

''اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

''یہ سن کر میں وہاں سے پلٹ آیا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں''۔

آپ رضی اللہ عنہ رو پڑے کیونکہ انسان کے لیے اس کی قیمتی ترین متاع اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اُن کی محبت ہے......اور اگر آپ کے قریب ترین ساتھی بھی اِس معاملے میں آپ کی تصدیق کرنے سے گریزاں ہوں تو پھر کیا وقعت رہ جاتی ہے اِس زندگی کی؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور نہ ہی نفی، بلکہ فرمایا:

''اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں''۔

بیویوں سے علیحدگی کا حکم اور حضرت کعبؓ کی مثالی اطاعت

اِس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

''جب ہم پر چالیس دن بیت گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامبر آیا اور کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ!''

اے اللہ کے بندو! غور کرو! دنیوی اعتبار سے انسانوں کے لیے محبوب ترین شے ان کے گھر اور ان کی بیویاں ہوا کرتی ہیں اور یہاں اپنی بیوی اور شریکِ حیات تک سے علیحدگی کا حکم آ گیا......! لیکن اتنے سخت حکم پر بھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا سرِ تسلیم خم کرنا یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ زندہ دلوں پر اگر کبھی غفلت کا پردہ آ بھی جائے تو اُنہیں فوراً یاددہانی ہو جاتی ہے اور وہ حق کی جانب لوٹ آتے ہیں۔ وہ نصرتِ لا إلٰـه إلا اللّٰـه چھوڑنے کے جرم کی شدت کا پورا پورا احساس وشعور رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آگے سے پوچھا:

''طلاق دے دوں یا کیا کروں؟''

یعنی آپ رضی اللہ عنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی بیوی کو طلاق دینے پر بھی تیار تھے۔ پیغامبر نے جواب دیا:

''نہیں! لیکن اُس کے قریب جانے کی اجازت نہیں''۔

چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا:

''تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، یہاں تک کے اللہ تعالیٰ ہمارے اِس معاملے میں کوئی فیصلہ فرمادے''۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے......؟

اللہ تعالیٰ کے کلام اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت کی بنیاد پر ہی ہم نے اپنی عورتوں کو اپنے لیے حلال جانا۔ ہمارے ربّ نے خود انہیں ہمارے لیے پیدا فرمایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا...﴾ (الروم: ۲۱)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تم میں سے ہی بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن کی طرف سکون حاصل کرو''۔

یہ عورتیں اپنی تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں اور شریعت نے انہیں ہمارے لئے تسکین، رحمت اور مودّت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ پھر ہم اس دین کی نصرت کیسے چھوڑ سکتے ہیں جو ہم پر ہونے والے ہر انعام کا سبب ہے؟ کیسے ہم اس ربّ کے دین سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں جس نے ہمیں بغیر ہماری قوت وطاقت کے عدم سے وجود بخشا؟

بڑھاپے کے باوجود اتنی سخت پکڑ......!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ، جو کہ تینوں حضرات میں سے زیادہ جوان تھے، فرماتے ہیں کہ:

''میرے دونوں ساتھی تو بالکل بے حال ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے، روتے رہتے تھے''۔

زندہ دلوں کو جب یاددہانی کرائی جاتی ہے تو وہ جاگ اٹھتے ہیں......اسی لئے وہ دونوں چالیس دن کی مدت سے رو رہے تھے۔ پھر اُن کے پاس بھی پیغام بھیجا گیا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔

اِس پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور فرمایا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال رضی اللہ عنہ تو نہایت ہی بوڑھے آدمی ہیں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس بات کی

اِجازت مرحمت فرماتے ہیں کہ میں اُن کی خدمت کرلیا کروں؟''

اے اللہ کے بندو! غور کرو! وہ بڑی عمر کے تھے......اور نہایت بوڑھے اور کمزور بھی! لیکن اس بڑھاپے کے عالم میں بھی جب وہ نصرتِ جہاد سے پیچھے ہٹے تو انہیں پوری پوری سزا دی گئی......کیونکہ وہ اس کی استطاعت تو رکھتے تھے کہ میدان میں نکلیں، لشکرِ اسلام کی تعداد میں اضافہ کریں اور مجاہدین کے مال ومتاع کی حفاظت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''میں خدمت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن وہ تمہارے قریب نہ آنے پائیں''۔

وہ بولیں:

''اللہ کی قسم! اُن میں تو (بڑھاپے وضعف کے سبب) پہلے ہی ایسی کوئی خواہش باقی نہیں بچی!''

نوجوانو! غور کرو!

اے اللہ کے بندو! کیا ہے تمہارے پاس کوئی عذر جو تم قیامت کے دن لا إلٰہ إلا اللّٰہ کی نصرت سے بیٹھ رہنے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں پیش کرسکو؟ یہاں اتنے بوڑھے صحابیٔ رسول کے ساتھ رعایت نہیں کی گئی، جبکہ تمہیں تو اللہ نے صحت، بصارت، عقل اور مال، سبھی نعمتوں سے بھرپور طور پر نواز رکھا ہے! تم اپنے دنیوی دھندوں کے لیے ساری دنیا کی خاک چھان سکتے ہو، تو اپنے خالق ومالک کی نصرت کے لیے اپنے گھر سے کیوں نہیں نکل سکتے؟ اپنی جوانی، صحت، مال اور زندگی کو غنیمت جانو اِس سے پہلے کہ موت تمہیں اچانک آلے اور پھر اُس وقت کی ندامت تمہارے کچھ کام نہ آئے......اور بہرحال نیکی کرنے کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے پہ آنسوؤں کا نہ تھمنا!

اِس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''اللہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس دن سے اُنہیں یہ معاملہ پیش آیا ہے وہ اُسی دن سے گھر

میں بیٹھے مسلسل رو رہے ہیں''۔

سچے اہلِ ایمان کو معصیت کا ارتکاب مار ڈالتا ہے......پھر وہ اپنے گناہوں کو آنسوؤں سے دھوتے ہیں۔غزوۂ تبوک کے موقع پر بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کسی سواری پر سوار کر کے ساتھ لے جائیں۔اُس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہیں دینے کو کچھ نہ تھا۔چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے معذرت کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾

(التوبۃ: ۹۲)

''وہ اِس حال میں واپس پلٹے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اِس غم سے کہ اُن کے پاس راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ تھا''۔

اگر محض ایک معرکے میں، کوشش کے باوجود، پیچھے رہ جانے پہ صحابہؓ کی یہ کیفیت تھی......تو اُس شخص کو کتنا رونا چاہیے جس کی ٹانگیں قبر میں ہوں، لیکن نہ تو وہ کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں کسی جنگ میں شامل ہوا ہو، نہ اُس نے اہلِ اسلام کو درپیش مصائب پر آنسو بہائے ہوں اور نہ ہی اِن مصائب کی وجہ سے کبھی اُس کے چہرے کی رنگت بدلی ہو......**ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ!**

اے کعبؓ مبارک ہو!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اِسی حال میں تھا کہ اتنے میں میں نے ایک شخص کی پکار سنی: **أبشِر یا کعب!** اے کعب مبارک ہو!''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی تو فوراً ایک صحابی رضی اللہ عنہ جبلِ سلع پر چڑھے اور با آوازِ بلند حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری سنانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمالی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں روتے ہوئے بے اِختیار سجدے میں گر گیا''۔

ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے اُن کے لیے گھوڑا بھیجا اور دوسرے بشارت دینے کے لیے دوڑتے ہوئے آئے۔ یہ تھا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے بھائی کی توبہ قبول ہونے پر خوشی کا اہتمام!

دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب وہ (خوشخبری دینے والا) شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو میں نے وہ دو کپڑے اتار کر اُسے دے دیئے جو میں نے اُس وقت پہن رکھے تھے اور خود ایک ہمسائے سے لباس مستعار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوا۔ اللہ کی قسم! اس دن میں اس ایک لباس کے علاوہ کسی اور شے کا مالک نہ تھا''۔

(کعب رضی اللہ عنہ کے اِس بیان سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کتنا ایک مال ہوگا جو اِن پچاس دنوں میں یہاں تک پہنچ گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سوائے کپڑوں کے اُس ایک جوڑے کے جو آپ رضی اللہ عنہ نے اتار کر قبولیتِ توبہ کی نوید سنانے والے کو دے دیا، اور کچھ باقی نہ بچا۔ لیکن آپ کی اپنی زبانی، یہی تھوڑا سا مال آپ رضی اللہ عنہ کو آزمائش میں ڈالنے کا سبب بن گیا۔ اِس لحاظ سے آج اُن لوگوں کا جنہوں نے اپنے گرد دنیاوی ساز وسامان کے ڈھیر لگا رکھے ہیں اِس فتنے میں مبتلا ہو جانا، اور نتیجتاً جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنا کیا زیادہ قرین از قیاس نہیں؟......مترجم)

ذرا دیکھئے اپنے اسلاف کی جانب!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دے رہے تھے، سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ لپکتے ہوئے آگے بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کر کے مجھے مبارک باد دی''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی اس بات کو ساری زندگی فراموش نہ کرتے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی

سے دمک رہا تھا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! توبہ کی یہ قبولیت آپ کی جانب سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''(میری) نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے''۔

توبہ کا غیر معمولی اہتمام

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

''یا رسول اللہ ﷺ! میری توبہ اس کے بغیر نہیں پوری ہو گی کہ میں اپنے تمام مال سے دستبردار ہو جاؤں (اور اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں)''۔

اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''ایک تہائی مال صدقہ کرنا تمہارے لیے کافی ہے''۔

اِس واقعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت بالکل نکھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ متعدد غزوات میں شریک ہو چکے تھے اور صرف ایک ہی مرتبہ پیچھے رہے تھے، لیکن پھر بھی آپؓ نے بطور کفارہ اپنا سارا مال صدقہ کرنا چاہا۔

آج آپ سے آپ کے سارے مال کا مطالبہ بھی نہیں کیا جا رہا، حالانکہ یہ مال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کا مال ہے...... وہ ایسا مطالبہ کرے تو اسے حق ہے! پس فرصت کے اِن لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے نکلیں اللہ کی راہ میں، اِس سے پہلے کہ حساب کا وہ دن آن پہنچے جب آپ اپنی مہلت ختم اور اپنی عمر ضائع کر چکے ہوں۔

راہِ جہاد میں گزری ایک گھڑی

صحیح حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قيام ساعة في الصف للقتال في سبيل الله خير من قيام ستين سنة''.

''اللہ کی راہ میں قتال کی خاطر ایک گھڑی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ سال قیام کرنے سے بہتر

ہے''۔

(کنز العمال: ۱۰۶۰۹)

اِس سے بڑا اور کیا نقصان ہوسکتا ہے؟ ایک جانب اللہ تعالیٰ کی راہ میں، یہود و نصاریٰ اور اُن کے معاونین کے خلاف قتال میں، گزری ایک گھڑی ہے...... اور اتنا سا وقت اس راہ میں لگانے کی تو آپ با آسانی استطاعت رکھتے ہیں...... بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج اِعداد، تربیت اور قتال کے میدان بھی آپ کے سامنے کھلے پڑے ہیں...... پھر اِس سب کے باوجود بھی آپ بیٹھے ہوں؟ کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ ہوسکتا ہے؟ اور یہ فضیلت تو فرضِ کفایہ کی حالت میں ہے نہ کہ فرضِ عین کی صورت میں، جبکہ آج جہاد فی سبیل اللہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرضِ عین ہو چکا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

''رباط شهر خير من صيام دهر''.

''ایک ماہ کا رباط ساری زندگی روزے رکھنے سے بہتر ہے''۔

(کنز العمال: ۱۰۵۱۲)

پس یہ فضائل اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت بڑا اکرم اور اُس کی عطا ہیں، جسے کوئی بے عقل شخص ہی ضائع کرے گا۔

نجات سچ میں ہے

اِس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنا خیبر والا حصّہ رکھ لیتا ہوں (اور باقی صدقہ کر دیتا ہوں)۔ اور میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچائی کی وجہ سے نجات دی ہے، لہٰذا میری توبہ کی قبولیت کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ میں آئندہ کے لیے بھی ہمیشہ سچائی پر کاربند رہوں گا''۔

یہاں آپ رضی اللہ عنہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے اِس فضل کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اُس نے آپ کو سچ بولنے

کی توفیق دی۔ بلاشبہ یہ آپ رضی اللہ عنہ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظیم نعمت تھی اور اسی سچائی نے آپ رضی اللہ عنہ کو ہلاکت اور تباہی کے اُس گڑھے میں گرنے سے بچا لیا جس میں دیگر لوگ جا گرے۔ ان جھوٹے بہانے تراشنے والوں کے بارے میں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے سخت الفاظ استعمال کئے جو کسی اور کے لیے نہ کئے، کیونکہ یہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیات نازل فرما کر ان کا حال اور ان کے اوصاف تا قیامت محفوظ فرما دیئے اور اُن کے نفاق کا بھانڈا پھوڑ ڈالا ...... لہٰذا اِس سورت کو تدبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے!

آیاتِ قتال پر ذرا ٹھہر جایئے ......!

آپ میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ قرآنِ حکیم اور خصوصاً جہاد وقتال کی آیات کے ہمراہ کچھ وقت تنہائی میں گزارے اور دیکھے کہ ان آیات کی رُو سے وہ کہاں کھڑا ہے! کیا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر ہے یا اِس منہج سے دور ہو کر بیٹھ رہنے والوں کی صفات اختیار کر چکا ہے؟ ...... اور بہر حال نیکی کرنے کی توفیق اور برائی سے بچنے کی قوّت تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔

اہلِ ثروت منافقین کا نقشہ

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات سے ڈراتے ہوئے اپنی کتاب میں فرمایا:

﴿وَ اِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ جَاھِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِہِ اسۡتَاۡذَنَکَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡھُمۡ وَ قَالُوۡا ذَرۡنَا نَکُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِیۡنَ﴾ (التوبة: ٨٦)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اُس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو اُن میں سے اصحابِ ثروت آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے دیجیے کہ بیٹھ رہنے والوں کے ہمراہ رہ جائیں''۔

''اصحابِ ثروت!'' ...... جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال، صحت، قوّت، عقل، بصارت غرض اپنی ہر نعمت سے نواز، جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے غنی کر دیا ...... اِس عظیم عبادت سے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

عورتوں کی ہم نشینی سے بچئے!

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ﴾ (التوبة: ۸۸)

''یہ اِس بات پہ راضی ہوگئے کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ہمراہ بیٹھ رہیں''۔

یہ لوگ عورتوں کے ہمراہ بیٹھ رہنے پر راضی ہوگئے حالانکہ عورتوں کے ذمّے تو جہاد ہے ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ مبارک کے مطابق اُن کے ذمّے وہ جہاد ہے جس میں ہتھیار نہیں ہوتے، یعنی حج۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے صرف اسلام پر بیعت لی تھی۔ عورتوں اور غلاموں سے آپ ﷺ اسلام پر بیعت لیا کرتے تھے...... جبکہ آزاد مردوں سے اسلام اور جہاد دونوں پر۔ چنانچہ اگر آپ بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں تو پھر آپ میں اور عورتوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

کہاں ہیں سعد و مثنیٰ رضی اللہ عنہما کے جانشین؟

آج یہود و نصاریٰ بلکہ اُن کی عورتوں تک کو بلادِ حرمین کے 'دفاع' کے لیے وحی و رسالت کی سرزمین میں داخل کیا جا رہا ہے! کیا اب یہ نجس آکر حضرت سعد اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہما کے جانشینوں کا دفاع کریں گے......؟ کیا جزیرۃ العرب کی مائیں مردوں کو جنم دینے سے عاجز آ گئیں؟ اللہ کی قسم! ایسی ذلت تو ہمارے آباؤ اجداد کو اسلام سے قبل، دورِ جاہلیت میں بھی گوارا نہ تھی! پھر آج ہم یہ سب کیسے گوارا کیے بیٹھے ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اِس عظیم دین اور صراطِ مستقیم سے نواز رکھا ہے؟ اُمت کی اِس حالتِ زار پر ہم اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کرتے ہیں، **ولا حول ولا قوة إلا بالله!**

اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کے منہج کا تضاد!

منافقین کے یہ اوصاف بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اِن صفات سے خود کو بچا سکیں۔ قرآنِ حکیم میں اُن کی اِس کیفیت کو 'رضا' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَفۡقَهُوۡنَ﴾

(التوبة: ۸۷)

''یہ اِس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ہمراہ بیٹھ رہیں اور اِن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، پس یہ سمجھتے ہی نہیں''۔

پھر سچے اہلِ ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (التوبة: ۸۸)

''لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں''۔

اللہ ربّ العالمین اہلِ جہاد کی فلاح اور اُن کے منہج کی درستی کی گواہی دے رہے ہیں۔ پس اگر آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلافِ امت کے پیروکار ہیں تو اُن کا راستہ تو بالکل واضح ہے۔ یہاں مؤمنین کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ تو منافقین کی صفت ہے کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ہمراہ بیٹھنے پر راضی ہوں۔ پھر صحیح راہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے......''

یعنی اگر آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار ہیں تو اُن کی راہ یہ ہے کہ:

''......اُنہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا''۔

جبکہ منافقین بیٹھے رہے، اُن کے نفس نے اُنہیں فریب میں ڈالے رکھا اور اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا۔

ترکِ جہاد کے ساتھ دوسرے گناہ کیوں اکٹھے کریں؟

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اِس بات پر اللہ تعالیٰ کے شکرگزار ہیں کہ اُن کے ساتھ وہ معاملہ نہیں پیش آیا جو منافقین کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اگر وہ بھی باقیوں کی طرح جھوٹ بول دیتے تو ہلاک ہو جاتے۔ اِس سے قبل جب اُن سے کہا گیا تھا کہ کوئی بہانہ بنا دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار سے تمہاری مغفرت ہو جائے گی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''میں جہاد سے پیچھے بیٹھنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولنے (جیسے عظیم گناہ) ہرگز جمع نہ کروں گا''۔

یہ ان سب لوگوں کے لئے غور وفکر کا مقام ہے جو نہ صرف خود جہاد سے پیچھے بیٹھے ہیں بلکہ اِس گناہ کے ہمراہ اللہ کے بندوں اور سادہ لوح اہلِ ایمان کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں؟ آخر کیوں یہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرں کو بھی بخل کی دعوت دیتے ہیں؟ یہ تو اُن بھیانک صفات میں سے ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے شدید مذمت فرمائی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَ يَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ﴾ (النساء: ۳۷، الحدید: ۲۴)

''جولوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں''۔

اپنے معاملے میں بخل کرنا تو مصیبت ہے ہی......لہٰذا اگر آپ لالچ یا بزدلی کے مرض میں مبتلا ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں......لیکن سوال یہ ہے کہ آپ دوسروں کو بخل کا حکم کیوں دیتے ہیں؟ لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ سے روکنے میں آپ کا کیا مفاد ہے؟ اگر لوگ اپنے دین کا دفاع کرنے سے پیچھے ہٹ جائیں تو آپ کی کون سی مصلحت پوری ہوتی ہے؟ پس اصل بات یہ ہے کہ یہ زمانہ ہی شیطان کے پھیلائے ہوئے شبہات اور اس کے القاء کردہ وساوس کا ہے۔

﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ...﴾ (آل عمران: ۱۷۵)

''بات بس اتنی سی ہے کہ یہ شیطان ہے جو اپنے ساتھیوں سے ڈراتا ہے''۔

آج بھی اگر محض چند ہزار لوگ اللہ کی راہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ نکل آئیں تو اللہ وحدہ لا شریک کے حکم سے جہاد کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے......اور یہ بات میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِس راہ اور اِس میدان میں بیس سال سے زائد کے تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں......اور بے شک تمام تر فضل واحسان اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

خود نہیں نکلنا، تو دوسروں کو تو نہ روکئے

آج کے مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ بے بنیاد عذر تراشنے میں مصروف

رہتے ہیں۔ دراصل شیطان ہی اُن کے ذہنوں میں یہ خرافات ڈالتا ہے اور انہیں مزیّن کر کے دکھاتا ہے۔ ایسے سب لوگ ہمیشہ آپ کو ایک سے بہانے بناتے دکھائی دیں گے...... مثلاً کبھی آپ سے کہیں گے کہ اگر سب لوگ جہاد پر نکل گئے تو دوسرے محاذوں کو کون سنبھالے گا؟...... اور کبھی ایسے ہی دیگر لغو اشکالات پھیلانے میں مصروف نظر آئیں گے۔ نتیجتاً عام لوگ اِن شبہات کا شکار ہو کر بیٹھے رہتے ہیں اور یہ لوگ ان کے حصے کا گناہ بھی سمیٹ کر سمجھتے ہیں کہ گویا انہوں نے خود پر عائد لا إلٰــه إلا اللّٰــه کی نصرت کا فرض ادا کر دیا۔ لہٰذا اے اللہ کے بندو......! بیٹھ رہنے کے ہمراہ جہاد سے روکنے اور اِس راہ میں روڑے اٹکانے کے گناہ مت جمع کرو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنكُمْ﴾ (الأحزاب: ١٨)

''اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (اس کی راہ میں) روڑے اٹکاتے ہیں''۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے دلوں کے حال سے خوب واقف ہے...... لہٰذا اپنے نفس کا جائزہ لیجیے! کہیں وہ آپ کو دھوکہ تو نہیں دے رہا...... جیسے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے نفوس نے اُنہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے سچائی کی جانب میری رہنمائی فرمائی اور مجھے اِس نعمت سے نوازا۔ اسلام لانے کے بعد یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا کہ میں جھوٹ سے بچ گیا، ورنہ میں بھی اُن لوگوں کی مانند ہلاک ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت میں ایسے سخت الفاظ استعمال کئے جیسے کسی اور کے بارے میں نہیں کئے''۔

جھوٹے بہانے بنانے والوں پر اللہ تعالیٰ نہایت سختی سے گرفت کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾

(التوبۃ: ۹۵، ۹۶)

’’جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے روبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے درگزر کرو، سو تم اُن سے اعراض برتو، بلاشبہ وہ گندگی ہیں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اُن کاموں کے بدلے جو وہ کماتے ہیں۔ یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ پس اگر تم اُن سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تو فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا‘‘۔

یہ عظیم حدیث جس میں سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، ہمارے لیے ایک نمونہ ہے تاکہ ہم اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا جائزہ لیں، اپنا محاسبہ کریں اور حق کی جانب لوٹ آئیں۔

ایمان، جہاد اور صدق......اہلِ ایمان کی نمایاں صفات

آگے اللہ تعالیٰ نے اسلافِ امت کا اسوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا...﴾ (التوبۃ: ۸۸)

’’لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ اُن کے ہمراہ ایمان لائے انہوں نے جہاد کیا‘‘۔

اُس وقت جہاد سے صرف وہ بدو ہی پیچھے رہتے تھے جنہیں دین کا کچھ فہم نہ ہوتا، مگر وہ اپنے بارے میں یہ گمان رکھتے کہ وہ مومن ہیں۔ چنانچہ جب اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ احسان جتلایا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُم...﴾ (الحجرات: ۱۴)

’’بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ 'ہم (اپنے ظاہر میں) مطیع ہو گئے ہیں' اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا......‘‘

پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات اور اُن کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۱۵)

''بے شک مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور پھر بالکل شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں''۔

اللہ اکبر! عقل والوں کے لیے تو بس اتنی بات ہی کافی ہے! اگر کوئی شخص مومنین کے زمرے میں شامل ہونا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی صفات یہاں بیان فرما دی ہیں۔ مومن کی نمایاں ترین صفت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا قوی ایمان رکھتا ہے جو ہر شک سے پاک ہو اور اُس کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرتا ہے۔ پھر جہاد کے فوراً بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچائی کی صفت کا تذکرہ فرمایا...... اور یہی وہ صفت ہے جس کی بدولت حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو نجات حاصل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

''فإنّ الصدق يهدي إلى البر وإنّ البر يهدي إلى الجنة، وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتٰى يكتب عند اللّٰه صدّيقا''.

''بلاشبہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے؛ اور انسان مسلسل سچ بولتا اور سچائی کی جستجو کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے''۔

(صحيح المسلم؛ باب البر والصلة والآداب، رقم: ۴۷۲۱)

لہٰذا سچائی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں! اور فسق و فجور سے بچیں! اللہ أرحم الراحمين سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچائی کی صفت سے نوازے...... اور ہمیں صادقین میں شامل فرمالے!

لوگوں کی دیکھا دیکھی اپنی آخرت نہ خراب کیجئے

میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث مبارکہ کے ذریعے نصیحت کرنا چاہوں گا:

''لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا......''.

''تم لوگ (دوسرے انسانوں کے) اندھے پیروکار نہ بننا...... کہ یہ کہنے لگو کہ اگر لوگ نیکی پر

ہوں تو ہم بھی نیک ہو جائیں گے اور اگر لوگ بدی پر ہوں تو ہم بھی بدی اختیار کر لیں گے......''

(سنن الترمذي؛ كتاب البر والصلة، باب ما جاء في الإحسان والعفو، رقم ۱۹۳۰)

قیامت کے روز آپ کو اکیلا ہی اٹھایا جانا ہے۔ قبر میں آپ بالکل تنہا ہوں گے اور اللہ کے حضور جوابدہی کے لیے بھی آپ کو اکیلے ہی پیش ہونا ہے۔ اُس وقت جب آپ سے لا إلٰـہ إلا اللّٰــہ کی نصرت کے بارے میں سوال ہوگا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اُس وقت آپ کیا جواب دیں گے جب آپ سے پوچھا جائے گا کہ:

''ماَ خَلَّفَکَ؟''

''تمہیں کس چیز نے پیچھے بٹھائے رکھا؟''

......جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّـمَا السَّبِیۡـلُ عَـلَـی الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ وَ ھُمۡ اَغۡنِیَآءُ رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ فَھُمۡ لَایَعۡلَمُوۡنَ...﴾ (التوبة: ۹۳)

''ملامت تو اُن لوگوں پر ہے جو اہلِ ثروت ہیں اور پھر بھی آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ وہ اِس بات سے راضی ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہنے والیوں کے ہمراہ بیٹھ رہیں اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، پس وہ علم نہیں رکھتے''۔

آج امت کی مصیبت یہ ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں سے اِس کی اکثریت نے جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر رکھا ہے۔ سوائے اللہ کے بندو! نکلو اللہ کی راہ میں! اعمالِ صالحہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرو! فتنے اندھیری رات کی مانند چھا چکے ہیں......اٹھو! اور اِن کے مقابلے پر سینہ سپر ہو جاؤ! اپنی فرصت کو غنیمت جانو! جنت کے کھلے دروازے تمہیں پکار رہے ہیں، دوڑو ان کی جانب!

اتنے واضح احکامات کے بعد کیا عذر باقی ہے؟

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إنّ السیف محّاء الخطایا''.

''بلاشبہ تلوار خطاؤں کو مٹا دیتی ہے''۔

(مسند أحمد: ۱۶۹۹۸)

یعنی شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ پس اس نبی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے طلبِ شہادت میں لپکیں جو ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے کے لیے مبعوث کئے گئے۔ کیا ہم سب کا علم انہی ﷺ کے منبعِ علم سے پھوٹنے والے علم وحکمت کے چشموں کا مرہونِ منت نہیں؟ جبرائیلِ امین آپ ﷺ پر کس زبان میں وحیءِ مبین لے کر نازل ہوتے تھے؟ کیا یہ کلام عربیٔ مبین میں نازل نہیں ہوا؟ پھر آپ کے پاس کیا عذر ہے؟ کیا آپ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟ صحیحین کی حدیث میں صادق ومصدوق ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں:

''والذّي نفس محمد بیده لو لا أن أشقّ علی المسلمین ما قعدتُ خلاف سریة تغزو في سبیل اللّٰه أبداً''.

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر مسلمانوں پر میری جدائی شاق نہ گزرتی تو میں اللہ کی راہ میں نکلنے والی کسی جنگی مہم سے کبھی پیچھے نہ رہتا''۔

(صحیح البخاري؛ کتاب الجهاد، مسلم؛ کتاب الإمارة)

کیا آپ یہ واضح اور غیر مبہم کلام سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟ خیر البشر ﷺ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ وہ کبھی اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی جنگ سے پیچھے نہ رہتے...... جبکہ آج اُمت کی حالت یہ ہے کہ گویا جہاد سے بھی افضل اعمال میں مشغول ہوں!

ماضی میں جب کبھی کوئی محاذ کھلا تو علماء نے جہاد کی فرضیت کا فتویٰ دیا۔ جب روس افغانستان پر حملہ آور ہوا تو علمائے اُمت کی ایک بہت بڑی تعداد نے جہاد کے فرضِ عین ہونے کے فتاویٰ صادر کئے...... پھر آپ کے پاس نہ نکلنے کی کیا دلیل ہے؟ کیا حجت ہے آپ کے پاس؟ یہ صرف اور صرف نفس کا دھوکہ ہے! نبیٔ اکرم ﷺ تو یہ فرما رہے ہیں کہ:

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر مسلمانوں پر میری جدائی

شاق نہ گزرتی تو میں اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ سے کبھی پیچھے نہ رہتا''۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دعویدار تو ہو لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے کبھی نہ نکلے......**ولا حول ولا قوة إلا بالله!**

مسائلِ جہاد، صرف مجاہد علماء سے پوچھے جاتے ہیں!

اِس دور میں جبکہ جہاد فرضِ عین ہو چکا ہے، ہم ایک ایسے عالم سے جو خود جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں میں سے ہے...... جہاد کا فہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ایک عالمِ ربّانی اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے، بنفسِ نفیس تاتاریوں کے خلاف قتال میں عملاً شریک رہے تھے۔ آپ فقہُ الجہاد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''والواجب أن يعتبر في أمور الجهاد برأي أهل الدين الصحيح الذين لهم خبرة بما عليه أهل الدنيا، دون أهل الدنيا الذين يغلب عليهم النظر في ظاهر الدين فلا يؤخذ برأيهم، و لا برأي أهل الدين الذين لا خبرة لهم في الدنيا''.

''واجب ہے کہ امورِ جہاد میں انہی صحیح اہلِ دین کی رائے کو معتبر مانا جائے جو اہلِ دنیا کے امور میں بھی تجربہ رکھتے ہوں۔ اور اُن اہلِ دنیا کی رائے نہ لی جائے جو دینی امور میں صرف سطحی سی نگاہ رکھتے ہوں؛ نہ ہی ان اہلِ دین کی رائے لی جائے جنہیں دنیاوی امور کا تجربہ نہ ہو''۔

(الفتاویٰ الکبریٰ؛ کتاب الجهاد، ج۸، ص ۴۰۱)

میں آپ کے سامنے ایک سادہ سی مثال رکھتا ہوں۔ حجت بازی اور بحث برائے بحث کرنے والے بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ آج ہم میں امریکہ اور اُس کی فوجوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ یہ فتویٰ ایک ایسا شخص دے رہا ہے جو مفتی کی لازمی شرائط سے کوسوں دور ہے۔ مفتی کے لیے لازم ہے کہ وہ فقیہ بھی ہو......اور اُس سے احوالِ دنیا بھی پوشیدہ نہ ہوں۔ یہ بات اہلِ علم نے بالکل صراحت سے بیان کی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف 'اِعلامُ المُوَقِّعِین' میں فرماتے ہیں:

’’مفتی اور حاکم کے لیے لازم ہے کہ وہ حادثے پر تحقیق کرے، اُس کے امور سے نتائج اخذ کرے اور اُس واقعے کے قرائن و علامات کی جانچ پڑتال کرے۔ پھر دوسرا پہلو یہ ہے کہ اُسے اُس حالت اور اُس واقعے کے حوالے سے فقہُ الواجب کا علم ہو، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس حکم کا علم ہو جو اُس حادثے پر منطبق ہوتا ہے۔ چنانچہ اِن امور کے بعد وہ فتویٰ دے گا‘‘۔

پہلے میدانِ جہاد میں اتریں، پھر فتویٰ دیجیے

ایک شخص عصرِ حاضر کے معرکوں میں کبھی شریک نہیں ہوا، وہ یہ جانتا ہی نہیں کہ کفار کا زور کیسے توڑا جاسکتا ہے...... وہ کیسے جہاد کے بارے میں فتویٰ دے سکتا ہے؟ گنتی کے چند اہلِ ایمان جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر یقین رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ جو جزا اللہ کے یہاں ہے وہ سب سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے......اور جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کا کامل یقین تھا......اُنہوں نے کیسے سوویت اتحاد کو محض چھوٹے ہتھیاروں کے ذریعے شکست سے دوچار کر دکھایا!

چنانچہ یہ لوگ لازمی شرائط کی تکمیل کئے بغیر ہی فتاویٰ دیتے جاتے ہیں۔ یہ آپ سے کہیں گے کہ نوجوانوں کی تعداد کم ہے......ہم ہتھیاروں کا استعمال بھی نہیں جانتے......اور ہمارے پاس اسلحہ بھی کم ہے......! اے اللہ کے بندو! ان مسائل میں تمہاری رائے معتبر ہی نہیں! فتویٰ دینا تو بہت بھاری ذمہ داری ہے، پھر تم کیسے جہاد کے رموز و اسرار جانے بغیر...... کسی قسم کے عملی تجربے کے بغیر ہی......امورِ جہاد میں فتویٰ دیتے ہو؟

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کسی قوم کے پاس گئے۔ اُن کا سر زخمی تھا اور اسی حالت میں اُنہیں احتلام ہوگیا۔ اُنہوں نے اِس مسئلے کا حکم دریافت کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ تمہارے لیے تو غسل کرنا لازم ہے...... انہوں نے اِس حال میں فتویٰ دیا کہ نہ تو انہیں اِس مسئلے میں مکمل شرعی علم حاصل تھا، نہ ہی اُنہوں نے مریض کے حال کی رعایت کی...... چنانچہ جب اُن صحابی نے غسل کیا تو وہ فوت ہوگئے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قتلوه، قتلهم الله!"

"انہوں نے اُسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں ہلاک کرے!"

(أبو داؤد؛ كتاب الطهارة، في المجروح يتيمم)

اب بھی فرضِ عین نہیں، تو پھر کب؟

چنانچہ آج جہاد کے خلاف فتاویٰ دینے والے مفتی صاحبان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئے ہیں...... بوسنیا اور ہرزوگوینا میں ہماری ہزاروں عزتیں پامال ہوگئیں...... چیچنیا میں ہمارے لاکھوں بھائیوں کا خون پانی کی طرح بہادیا گیا...... توپ کے گولوں اور ٹینکوں سے اُنہیں پیس ڈالا گیا...... انڈونیشیا میں ہمارے بھائی مساجد میں زندہ جلائے گئے...... اور ہمارے فلسطینی بھائی ابھی تک یہود کے ہاتھوں بدترین تعذیب کا شکار ہیں...... لیکن اِن اللہ کے بندوں کے نزدیک جہاد اب بھی فرضِ عین نہیں ہوا!

أنّى نظرت إلى الإسلام في بلد

وجدته كالطير مقصوصا جناحاه

(آج جدھر بھی نگاہ دوڑا کر اسلام کی حالت دیکھو گے

اُسے پَر کٹے پرندے کی مانند ہی پاؤ گے)

آج مسلمان ہر جگہ مصیبت کا شکار ہیں...... کیا یہ سب کچھ کافی نہیں؟ کیا جہاد اب بھی فرضِ عین نہیں ہوا؟ اور پھر جو علمائے حق فرضِ عین کا فتویٰ دے ڈالیں تو اُنہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جائیں...... یہ کیا عجب وقت آن پڑا ہے؟ لیکن ان آزمائشوں کے باوجود بھی، جس عالم کے سینے میں ایمان سے بھرپور دل دھڑکتا ہو، وہ کبھی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے راستے سے ہٹنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

جہاد میں ٹال مٹول پر عتابِ الٰہی

میں اِس حدیث مبارکہ پر اپنی گفتگو ختم کرنے سے قبل وہ قرآنی آیات ذکر کرنا چاہوں گا جہاں اللہ تعالیٰ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب فرمایا، جبکہ وہ جہاد سے کچھ پس و پیش کرنے لگے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم تو اُسی روز سے قتال کی اجازت طلب کر رہے تھے جب کفارِ مکہ مکرمہ نے انہیں ایذا دینے کا آغاز کیا۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ کفار کا مقابلہ کرنا لازم ہے ورنہ وہ ہمیں پیس ڈالیں گے......لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعض حکمتوں کے تحت حکمِ قتال کو مؤخر فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ:

''کفّوا أیدیکم!''

''اپنے ہاتھ روکے رکھو!''

لیکن جب قتال کا حکم نازل ہو گیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حکم کے بعد پس وپیش کا شکار ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍ...﴾ (النساء: ۷۷)

''بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر قتال فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے ایک گروہ لوگوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر؛ اور یہ کہنے لگا کہ اے اللہ تو نے ہم پر قتال (اتنا جلد) کیوں فرض کر دیا، تھوڑی مدت مزید ہمیں مہلت کیوں نہ دے دی''۔

اے اللہ کے بندو! اگر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے رویے پر یوں گرفت ہوئی تو ہماری کیا حیثیت ہے؟ ہم سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ سختی ہے تو پھر ہم لا إلٰه إلا اللّٰه کی نصرت سے پیچھے بیٹھ کر کیسے مطمئن رہ سکتے ہیں؟ یہ سراسر نفس کا دھوکہ اور فریب ہے! یہ مہلت اور تاخیر ہم کس چیز کے لیے مانگتے ہیں؟ اِس مہلت سے ہم کیا حاصل کر لیں گے؟ دنیاوی مجبوریاں تو کبھی ختم نہیں ہوتیں......اور انسانی خواہشات اور امیدیں تو اُس کی عمر

سے بھی زیادہ طویل ہوا کرتی ہیں۔

ٹال مٹول کا سبب......حب الدنیا و کراھیة الموت!

اِس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِس بیماری کا علاج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾ (النساء: ۷۷)

''کہہ دیجیے کہ دنیا کا ساز وسامان تو بہت تھوڑا سا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر شمہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ نفس کا دھوکہ اور متاعِ دنیوی سے لگاؤ کا اثر ہے......اور متاعِ دنیا تو بے وقعت سی چیز ہے۔ رہا اہلِ ایمان کا معاملہ، تو انہیں تو آخرت کی باقی رہنے والی خیر کی جانب بڑھنا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن انداز میں اُنہیں یہ تنبیہ فرما دی کہ:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ...﴾ (النساء: ۷۸)

''تم جہاں کہیں بھی رہو، موت تو تمہیں آ ہی لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو''۔

شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے......اپنے حامیوں سے ڈراتا ہے......اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر قتال کے لیے نکلے تو مارے جاؤ گے! اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ موت تو بہر حال تمہیں آ ہی لے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان کے سینوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھول دے اور ہم سب کو تمام معاملات میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر چلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے اشعار

آخر میں، میں اپنے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو چند اشعار کے ذریعے ترغیب دلانا چاہوں گا تاکہ

ہم اِس راہ پر پوری لگن کے ساتھ گامزن رہیں۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنگوں اور غزوات میں اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اِن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے چند اشعار بھی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ کا دل بھی یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہی کچھ دیکھ رہا تھا جو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد کے دن دیکھا۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''واهاً لريح الجنة أجده دون أحد''.

''اے سعد! کیا خوب...... یہ تو جنت کی خوشبو ہے! میں اُسے اُحد کے پیچھے سے اٹھتا محسوس کررہا ہوں''۔

(مسلم؛كتاب الإمارة، ثبوت الجنة للشهيد، رقم: ۳۵۲۳)

آپ رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ ہی میں تھے......لیکن یہ قوّتِ یقین تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جنت کی خوشبو سونگھ لی۔ اِسی طرح جنگِ موتہ کے روز جب لوگ جنگ کے لیے میدانِ معرکہ میں کود پڑے تو تلواروں کی جھنکار اور گرد وغبار کے بادلوں تلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نورِ یقین سے منور یہ اشعار پڑھنے لگے:

يا حبذا الجنة واقترابها
طيبة وبارد شرابها
والروم روم قد دنى عذابها
علي إلا لقيتها ضرابها

(حسین جنت اور اُس کی قربت کا کیا کہنا
اور اُس کے ٹھنڈے مشروب کا کیا کہنا
اب روم پر عذاب مسلط ہونے کا وقت قریب آچکا ہے
میں اُن سے بے خوف وخطر ٹکرا جاؤں گا
پھر اُنہیں چن چن کر ضربیں لگاؤں گا)

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

اِسی طرح ایک اور صحابی سیدنا عاصم بن ثابت بن اقدح رضی اللہ عنہ جب دعوت وتبلیغ کی غرض سے ہذیل

کی شاخ بنی لحیان کی طرف جا رہے تھے، تو بنی لحیان والوں نے آپ کو محاصرے میں لے کر گھیر لیا۔ یہ دس آدمی تھے جبکہ وہ ایک سو کی تعداد میں تھے۔ بنی لحیان والوں نے کہا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو! حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''میں خود کو کسی کافر کے حوالے نہیں کر سکتا''۔

وہ آپ کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرتے رہے لیکن عاصم رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور یہ اشعار پڑھے:

ما علتي وأنا شرد نابل

والقوس فيها وتر عنابل

والموت حق والحياة باطل

إن لم أقاتلكم فأمي هابل

(مجھے لڑنے سے کیا مانع ہے

جبکہ میں دلیر و ماہر تیر انداز ہوں

اور میری کمان کے لیے تیروں کی بھی کچھ کمی نہیں

موت حق ہے جبکہ یہ فانی زندگی باطل ہے

اگر میں تم سے نہ لڑوں تو پھر یہ جان ہے کس لئے؟)

اللہ تعالیٰ ان سب اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہو جائے......!

اپنے مقدّسات آزاد کرانے اٹھیے!

آج ہمارے مقدسات پر یہود و نصاریٰ قابض ہیں۔ بھلا کوئی شخص جس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی رمق بھی باقی ہو وہ اِن حالات میں چین سے بیٹھ رہنا گوارا کر سکتا ہے......؟ میں اپنی گفتگو کا اختتام یہود و نصاریٰ کے نرغے میں گھرے بیت المقدس اور کعبۃ اللہ سے متعلق اِن اشعار پر کروں گا:

أهالي فلسطين احتسوا أكؤس الشجى

وجرح حجاز فيك ما عاد يضمر

ولیـــس بـنـو الإسـلام إلا نـجـائـب

بـجـرحک قـد مـضـحـل مـصـيبة ضـمـر

ولٰـكـنهـم رغـم الـجـراح يـقينهـم

بـعـودـة أمـجـاد الـخـلافة يـكـبـر

وقـد أقسـمـوا بـالـلّٰـه أن جهـادهـم

سيـمـضـي ولـو كسـرىٰ تـحدىٰ وقيصر

(فلسطین کب سے خون کے گھونٹ پی رہا ہے

حجاز کا زخم تو عین ہمارے دلوں پر لگا ہے

اسلام کا ہر فرزند غیرت وحمیت کا پیکر ہے

اوران زخموں کی فکر نے اُن کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں

لیکن زخموں کے باوجود خلافت کی واپسی پر

اُن کا یقین غیر متزلزل ہے

وہ اللہ کی قسم کھا چکے ہیں کہ

اُن کا جہاد جاری رہے گا

چاہے کسریٰ سے مڈ بھیڑ ہو

یا قیصر مقابلے پر آ نکلے)

ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے شہداء قبول فرمائے!

ہمیں اپنی راہ میں قتل ہونے کا شرف عطا فرمائے تا کہ اُس کا کلمہ سر بلند ہو!

اِس امت کو رشد و ہدایت کا ایسا دور دکھائے جس میں اُس کی اطاعت کرنے والے معزز اور اُس کے نافرمان ذلیل ہوں۔ جس میں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے! بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت، تقوی، عافیت اور دنیا سے بے نیازی کا سوال کرتے ہیں!

اے ہمارے ربّ! تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما! اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما!

اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے!

وصل اللّٰھم وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعين!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه ربّ العٰلمين!

....

مطبوعاتِ حطین

☆ کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ	مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ
☆ مسلمانوں کے تعلقات کی اساس؛ لا الہ الا اللہ	سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ
☆ چہروں کی نہیں، کفریہ نظام کی تبدیلی مقصود ہے!	قاری عبدالہادی
☆ من لی بهذا الخبيث؟ (کون ہے جو میری حرمت کی خاطر اس خبیث سے نمٹے؟)	محمد مثنیٰ حسان
☆ یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے!	مولانا ابو محمد یاسر
☆ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟	شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ
☆ استاد المجاہدین؛ استاد یاسر کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو	مترجم: محمد مثنیٰ حسان
☆ اور فتح کی خبریں آنے لگیں!	قاری عبدالہادی
☆ جہاد فی سبیل اللہ کے اساسی مقاصد	محمد مثنیٰ حسان

زیرِ طباعت

☆ حکمرانوں کی قربت سے بچو!

(امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ما رواه الأساطين في عدم المجيء إلى السلاطين'' کا اردو ترجمہ) مترجم: مولانا عبید الرحمٰن

....

آیئے میرے ہمراہ صدق اور صاف گوئی کے پیکر میں ڈھلے اِن الفاظ پر غور وفکر کیجیے......! تا کہ ہم جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کی طبیعتِ نفس جان سکیں اور خود اپنے نفس کا بھی علاج کرنے کی کوشش کریں......ہم اپنے آپ کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنے علماء کو اِس حدیث کے ذریعے نصیحت کرتے ہیں......اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اِس پر بہترین عمل کی توفیق عطا فرمائے......!

اللہ کے بندو! ذرا سوچو......! اِس ترکِ جہاد کے مسئلے پر کون آپ سے ترکِ تعلق کر رہا ہے......؟ سیدُ البشر، محمد رسول اللہ ﷺ ......! جو اگر کسی سے ناراض ہو جائیں تو زمین و آسمان کا ربّ بھی اُس سے ناراض ہو جاتا ہے......یہ کتنا بڑا معاملہ ہے......! کیا تیس ہزار کے لشکر سے تین کا پیچھے رہ جانا عددی قوت کے لحاظ سے کوئی اہمیت رکھتا ہے......؟ لیکن بات اصل میں دل کی ہے......بات دراصل ایمان کی ہے...... یہ دل کیسے لا الٰہ الاّ اللہ کی نصرت سے پیچھے بیٹھے رہنے پر تیار ہو گیا......؟ یہ بات اہم نہیں کہ تعداد کے اعتبار سے کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں......اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک بہت بڑی امانت اور فرض عائد کیا ہے......جس کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہونا آپ پر لازم ہے۔

شیخ ابو عبداللہ